1

نثری (افسانوی) ادب کا ارتقاء

1.1

شاعری کی طرح نثر بھی انسان کے جذبات اور خیالات کو ظاہر کرنے کا ذریعہ ہے۔ آدمی جو کچھ سوچتا ہے اسے دوسروں تک پہنچانے، زندگی کے روزمرہ مسائل کے حل کرنے اور آپسی لین دین کے معاملات طے کرنے کے لیے نثر کا ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ تمام علوم و فنون مثلاً تاریخ، جغرافیہ، سائنس، منطق اور فلسفہ وغیرہ نثر کے ذریعے ہی پڑھائے جاتے ہیں۔ یعنی نثر عام بول چال کی زبان بھی ہے اور اس کا تعلق علم و ادب اور تہذیب سے بھی ہے۔

دنیا کی تمام زبانوں کی طرح اردو میں بھی نثر کی ابتدا نظم کے بعد ہوئی۔ بڑے زمانے تک یہ ملک کے مختلف حصوں میں الگ الگ الفاظ اور چھوٹے چھوٹے فقروں کی صورت میں استعمال ہوتی رہی پھر صوفیوں اور بھگتوں نے انسان دوستی اور مذہبی رواداری کا پیغام عوام تک پہنچانے کے لیے اردو نثر سے کام لینا شروع کیا۔ اور یوں جنوبی ہندوستان یعنی دکن میں صوفیوں سنتوں نے اس کو آگے بڑھانے کا کام کیا۔ وہاں (دکن میں) آٹھویں صدی سے گیارھویں صدی عیسوی تک بہت سے ایسے مذہبی رسالے اور کتابیں لکھی گئیں جن کی اردو نثر کے تاریخی سفر میں بہت اہمیت ہے۔ پھر قطب شاہی اور عادل شاہی حکومتوں نے تو شاعری کے ساتھ نثر پر بھی خاصی توجہ دی۔ عبداللہ قطب شاہ کی فرمائش پر اس کے زمانے کے مشہور شاعر اور فاضل ادیب اسداللہ وجہی نے داستان کے انداز میں "سب رس" کی تالیف کی۔ یہ تمثیلی قصہ ہے جس میں تصوف کے نکتے بیان کیے گئے ہیں۔ "سب رس" سب سے پرانی داستان ہے اس لئے اردو کے نثری ادب میں اس کی اہمیت زیادہ ہے۔

شمالی ہندوستان میں بڑے عرصہ تک اردو نثر میں کوئی باقاعدہ کتاب نہیں لکھی گئی۔ بارھویں صدی کے شروع میں پرتھوی راج کی بہن مہارانی پرتھابائی کے ایک خط کا سراغ ملتا ہے جو انھوں نے ستی ہونے سے پہلے اپنے بیٹے کو لکھا تھا یا پھر بعد میں کچھ مذہبی رسالے جیسے "رسالہ جونیہ" یا مخدوم شاہ حسینی کے رسالے "تلاوۃ الوجود" کی تلخیص جو "معراج العاشقین" کے نام سے مشہور ہوئی۔ پھر جیسے جیسے حالات بدلتے گئے اردو نثر کا رواج بڑھتا گیا۔ لوگ فارسی کے بجائے اردو پر توجہ دینے لگے اور اٹھارھویں صدی کا زمانہ جو ہندوستان میں بہت ہنگاموں اور سیاسی الجھنوں کا زمانہ ہے وہ اردو نثر کے لئے مفید ثابت ہوا۔

مغلیہ حکومت کی تباہی نے ملک میں بدامنی اور بدحالی پھیلادی۔ تہذیبی اور اخلاقی قدریں ٹوٹنے لگیں توسماج سدھار کے لئے ادیبوں اور شاعروں نے طنزومزاح سے کام لینا شروع کیا۔ اس سلسلے میں میر جعفرزٹلی اور شاہ ظہورالدین حاتم قابل ذکر ہیں۔

1731 عیسوی میں فضل علی فضلی نے "روضۃ الشہداء" کا فارسی سے اردو نثر میں آزاد ترجمہ کیا اور اس کا نام "کربل کتھا" رکھا۔ اس لئے کہ اس میں کربلا کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ فضلی کی اس کتاب سے شمالی ہند میں باقاعدہ نثری کتابوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر اور سید بابا قادری نے قرآن پاک اور تفسیروں کے اردو نثر میں ترجمے کیے۔ سوداؔ نے 'سبیلِ ہدایت' کا دیباچہ اردو نثر میں لکھ کر شعری مجموعوں کے دیباچے نثر میں لکھنے کی روایت شروع کی۔

یورپین لوگوں نے بھی ہندوستانی زبانوں اور یہاں کی تہذیب میں دلچسپی لی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ یہاں کی عام زبان یعنی اردو سیکھنے پر اس زمانے میں زیادہ زور دیا گیا۔ ان لوگوں نے اردو کی اہمیت کو سمجھا اور اس کی ترقی اور پھیلاؤ میں مدد کی۔ جان جوشوا کٹیلر پہلا یورپین مصنف ہے جو ہالینڈ کا رہنے والا تھا۔ اس کے بعد پادری بنجمن شلز، ٹل، ہیڈلے وغیرہ اہم نام ہیں جنھوں نے اردو زبان کی قواعد اور لغت مرتب کیں اور بائبل کے ترجمے نثر میں کیے۔ ان یورپین مصنفین میں سب سے زیادہ شہرت ڈاکٹر جان گل کرائسٹ کو ملی جنھوں نے اردو میں تقریباً بارہ کتابیں تالیف وتصنیف کیں۔ گل کرائسٹ اردو کے اچھے عالم تھے۔ انھوں نے فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں ہندوستانی زبانوں کے شعبہ میں نگراں کی حیثیت سے بہت کام کیا۔

شمالی ہندوستان میں اردو نثر گرچہ دیر سے شروع ہوئی لیکن یہاں بہت جلدی اس کو ترقی کا موقع ملا۔ فورٹ ولیم کالج کے قیام سے تقریباً پچاس پچپن سال پہلے یعنی اٹھارھویں صدی میں ہی "قصہ مہرافروز دلبر" سے یہاں داستانی ادب کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ "قصہ مہرافروز دبر" 1732ء سے 1759ء کے درمیان لکھی گئی۔ پوری داستان عام بول چال کی زبان میں لکھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد 1768ء سے 1780ء کے زمانے میں عطاحسین خاں تحسین نے فارسی قصہ "چہار درویش" کا ترجمہ اردو میں کیا اور اس کا نام "نو طرز مرصع" رکھا۔

1794-95ء میں مہر چند کی " نو آئین ہندی " لکھی گئی اور اس کے بعد شاہ عالم ثانی جو آفتاب تخلص کرتے تھے ، ان کی کتاب "عجائب القصص" اور شاہ حسین حقیقت کی "جذب عشق" تصنیف ہوئیں۔ ان سب داستانوں نے اردو نثر کی ترقی میں مدد بہم پہنچائی۔ ان داستانوں کے ذریعے اردو کے نثری ادب میں اضافہ ہوا اور انداز بیان کی سادگی سلاست اور دلکشی پیدا ہوئی۔

1800ء میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم ہوا۔ فورٹ ولیم کالج کا مقصد اردو کی ترقی نہ تھا بلکہ ایسٹ انڈیا کمپنی میں کام کرنے والے انگریزوں کو اردو سکھانا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کالج کے قیام نے اردو نثر کی ترقی میں بہت زیادہ حصہ لیا۔ یہ کالج سرکاری طور پر پہلی کوشش تھی اس لئے اردو نثر کی ترقی پر اس کا گہرا اور خوشگوار اثر پڑا۔ ڈاکٹر جان گل کرائسٹ ہندوستانی زبانوں کے شعبہ کے نگراں مقرر ہوئے۔ انھوں نے اپنی علمی سوجھ بوجھ سے کام لیا اور ہندوستان کے کونے کونے سے مشہور ادیبوں اور مصنفوں کو بلا کر کالج میں جمع کیا اور بے شمار کتابیں تصنیف و ترجمہ کرائیں۔ انھوں نے زیادہ تر عربی، فارسی اور سنسکرت کے قصے کہانیاں اردو میں ترجمہ کرائیں۔ قانون، جغرافیہ، تاریخ اور مذہب سے متعلق کتابیں بھی ترجمہ ہوئیں لیکن داستانوں کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔

فورٹ ولیم کالج میں جو ادیب اور منشی جمع ہوئے تھے ان کو باقاعدہ یہ ہدایت تھی کہ وہ سادہ اور آسان زبان میں لکھیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے بڑی حد تک تو اپنا فرض اچھی طرح نبھانے کی کوشش کی مگر پھر بھی ان کی نثر میں کچھ قافیوں کا استعمال اور مسجع کے نمونے ملتے ہیں۔ سادہ نثر نویسی کی روایت کو آگے بڑھانے کی کوشش کے ساتھ ہی ان ادیبوں کے یہاں ایک ملا جلا اسلوب پایا جاتا ہے۔ جس میں سادگی بھی ہے ، رنگینی بھی اور روانی بھی۔

فورٹ ولیم کالج کی اس منظم کوشش کے نتیجے میں یہاں بہت سی داستانیں ترجمہ ہوئیں مثلاً میر امن دہلوی کی "باغ و بہار" جو فارسی قصہ " چہار درویش" کا ترجمہ ہے۔ یہ 1802ء میں مکمل ہوئی اور پہلی مرتبہ 1803ء میں کلکتہ پریس سے شائع ہوئی۔ " باغ و بہار" فورٹ ولیم کالج سے ترجمہ ہونے والی داستانوں میں سب سے اہم اور مشہور داستان ہے۔ میر امن نے اپنے بے تکلف اور سادہ انداز بیان سے اس ترجمے میں تخلیق کی شان پیدا کردی ۔ انھیں زبان پر بڑی مہارت تھی اسی لئے سادگی اور سلاست کے باوجود عبارت میں پھیکا پن نہیں آیا۔ بلکہ بے ساختگی اور کشش پیدا ہوگئی۔ میر امن نے محاوروں کے بہترین استعمال سے عبارت میں ایک خوشگوار ترنم پیدا کردیا ہے۔ مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ باغ و بہار اردو نثر کی بہترین کتابوں میں سے ہے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق نے اس کی صحیح تعریف کی ہے کہ " اردو کی پرانی کتابوں میں کوئی کتاب زبان کی فصاحت اور سلاست کے لحاظ سے اس سے لگا نہیں کھاتی ۔ "

میر امن کی دوسری تالیف "گنج خوبی" فارسی کی "اخلاق محسنی" کا ترجمہ ہے۔ مگر یہ فورٹ ولیم کالج

سے شائع نہیں ہوئی بعد میں بمبئی سے چھپی۔

"باغ و بہار" کے علاوہ فورٹ ولیم کالج میں ترجمہ ہونے والی داستانوں میں حیدر بخش حیدری کی "قصہ مہرو ماہ"، "لیلیٰ مجنوں"، "ہفت پیکر"، "گلشنِ ہند"، "طوطا کہانی" اور "آرائش محفل" گلِ مغفرت" وغیرہ شامل ہیں۔ مگر ان میں سے شہرت "طوطا کہانی" اور "آرائش محفل" کو ملی۔ "طوطا کہانی" محمد قادری کے "طوطی نامے" کا ترجمہ ہے جو بول چال کی آسان زبان میں کیا گیا اور "آرائش محفل" حاتم طائی کی سات مہموں کی داستان ہے جس کو حیدری نے دلچسپ انداز میں لکھا۔

میر شیر علی افسوس نے شیخ سعدی کی "گلستان" کا ترجمہ "باغ اردو" کے نام سے کیا اور خلاصۃ التواریخ کا ترجمہ "آرائشِ محفل" کے نام سے کیا۔

میر بہادر علی حسینی نے میر حسن کی مشہور مثنوی "سحر البیان" کو اردو نثر میں لکھا اور اس کا نام "نثرِ بے نظیر" رکھا۔ اس کے علاوہ "اخلاق ہندی" بھی ان کی مشہور کتاب ہے جو کلکتہ سے شائع بھی ہوئی۔

مظہر علی خاں ولاؔ نے "مادھونل اور کام کندلا بیتال پچیسی" اور "تاریخ شیر شاہی" لکھیں۔ مرزا کاظم علی جوان نے کالیداسؔ کے مشہور ناٹک "شکنتلم" کا ترجمہ اردو نثر میں کیا اور "شکنتلا" نام رکھا۔ کاظم علی جوان نے "سنگھاسن بتیسی" لکھنے میں للو لال جی کی مدد بھی کی۔ اور کئی دوسرے لوگوں کی کتابوں کو بھی درست کیا۔

نہال چند لاہوری بھی فورٹ ولیم کالج کے ادیبوں میں مشہور ہیں۔ وہ رہنے والے تو دلی کے تھے مگر بعد میں لاہور چلے گئے تھے سو لاہوری کہلانے لگے۔ انھوں نے فارسی کی مشہور کہانی "گل بکاؤلی" کا "مذہب عشق" کے نام سے آسان اردو میں ترجمہ کیا۔ بنی نرائن جہاںؔ نے "چار گلشن" لکھی اور خلیل علی خاں اشکؔ نے داستانی ادب کی ایک مشہور کڑی "داستان امیر حمزہ" کو اردو نثر میں پیش کیا۔ اشکؔ کا یہ کام بڑا کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ انھوں نے اس داستان کو چار حصوں میں ترتیب دیا۔ اس کے علاوہ فورٹ ولیم کالج میں "بحر عشق قصہ سیف الملوک کا"، "قصہ دل آرام و دل ربا" قصہ گل وصنوبر، حیدر بخش حیدری کی "گلزار دانش" غلام حیدر عزت کی "حسن و عشق" نور علی کی "بہار عشق" محمد بخشی کی "قصہ فیروز شاہ" اور "قصہ فرعون" وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

فورٹ ولیم کالج میں ترجمہ ہونے والی ان داستانوں کے مطالعے سے علم ہوتا ہے کہ گرچہ اس کالج میں اردو کی ترقی کے لیے کام نہیں ہو رہا تھا مگر پھر بھی ان داستانوں کا اردو نثر کے ارتقاء میں بڑا حصہ ہے۔ یہاں جو کتابیں تیار ہوئیں ان کے اسلوب میں فارسی کی آمیزش بھی ہے۔ برج بھاشا کا اثر بھی ہے، ہندی کی بے ساختگی بھی۔ یوں ان کتابوں کی نثر سادہ ہونے کے ساتھ ہی خوب صورت، پرلطف اور دلکش بھی ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ یہاں کام کرنے والے ادیبوں نے نثر کے ایک نئے اسلوب کو تیار کرنے میں بہت مدد کی ہے۔ اسی لئے اردو نثر کی تاریخ میں فورٹ ولیم کالج کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

فورٹ ولیم کالج میں تو نثر نگاری سرکاری کوششوں کے ذریعے آگے بڑھی۔ لیکن ایسا نہیں تھا کہ صرف کالج کے دائرے میں تصنیف و تالیف کا کام ہورہا تھا۔ بلکہ بدلتے ہوئے حالات سے کالج کے باہر کے ادیب اور مصنف بھی متاثر ہو رہے تھے۔ مغلیہ حکومت کے زوال نے فارسی کے اثر کو بڑی حد تک کم کردیا تھا اور عام اردو نثر میں قصہ کہانی لکھنے کا رواج پورے جوش و خروش سے پھیل رہا تھا۔ محمد بخش مہجور کی "نو رتن"، "گلشن نو بہار" اورانشاء اللہ خاں انشاؔ کی "رانی کیتکی اور کنور اودے بھان کی کہانی" اس دور کی اہم داستانیں ہیں۔"رانی کیتکی" ایک مختصر داستان ہے جسے 1803ء میں انشاء اللہ خاں نے ہندوستانی زبان میں لکھا۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اس میں "ہندی چُھٹ کسی اور بولی کی پٹ نہ ملے۔" اس دعویٰ کا انھوں نے خیال رکھا اور عربی و فارسی کے الفاظ سے پرہیز کیا۔ انشاؔ کی "سلک گہر" اور "دریائے لطافت" بھی اردو ادب میں مشہور ہوئیں۔ "رانی کیتکی" نے اردو نثر کو ایک نیا انداز بخشا۔

1824ء میں رجب علی بیگ سرور کی "فسانۂ عجائب" سامنے آئی تو اس کے ذریعے نہ صرف لکھنؤ کی تہذیب اُجاگرہوئی بلکہ اردو نثر کا ایک نیارنگ نظر آیا۔ فسانۂ عجائب کی زبان مقفیٰ و مسجع ہے۔ اشعار کا استعمال بھی خوب کیاگیاہے مگراس رنگین بیانی کے باوجود اس میں روانی اور دلکشی پائی جاتی ہے۔ رجب علی بیگ سرور نے اور کئی داستانیں جیسے "گلزار دانش" "گلزار سرور" "شبستان سرور" شگوفہ محبت اور فسانۂ عبرت وغیرہ لکھیں جن میں اردو نثر قدرے سادہ اور عام فہم ہے۔

انیسوی صدی کے وسط تک شمالی ہندوستان میں اور بھی بہت سی داستانیں لکھی گئیں مثلاً "قصہ گل و صنوبر"، "باغ ارم" "حکایت سخن سنج" "الف لیلیٰ کے ترجمے، بوستان خیال اور پھر مشہور زمانہ داستانیں "طلسم ہوشربا" اور سروش سخن وغیرہ۔ "طلسم ہوشربا" اور "سروش سخن" داستانی سلسلے کی تقریباً آخری کڑیاں ہیں جو اپنی زبان و بیان کے اعتبار سے اردو نثر کی اہم داستانیں سمجھی جاتی ہیں۔

ان تمام داستانوں کے مطالعے سے یہ واضح ہوتاہے کہ انیسویں صدی کے اس دور میں اردو نثر نے مشکل پسندی سے سادگی اور سلاست کی طرف سفر کیاہے۔ عربی فارسی الفاظ کی جگہ اردو، ہندی، سنسکرت اور مقامی بولیوں کے الفاظ استعمال ہونے لگے۔ جذبات اور احساس کی ترجمانی کا سلیقہ نثر میں پیدا ہوا۔

انیسویں صدری کا یہ زمانہ دراصل اردو نثر کی ترقی اور عروج کا زمانہ ہے۔ اس دور میں جو سیاسی اور سماجی تبدیلیاں ہورہی تھیں وہ نثر کے نکھار میں مددگار اور مفید ثابت ہوئیں۔ مثلاً 1822ء میں اردو کا پہلا اخبار "جام جہاں نما" کے نام سے جاری ہوا، 1824ء میں دلّی کالج قائم ہوگیا۔ 1835ء اردو کو عدالتی زبان بنا دیا گیا۔ 1842ء میں ورناکیولر ٹرانسلیشن سوسائٹی قائم ہوئی۔ ان سب تبدیلیوں اور طاقتوں نے اردو زبان و ادب کو نئی تازگی اور توانائی عطا کی نئے علوم وجود میں آئے۔ اردو نثر میں نئے نئے موضوعات اور رجحانات نیز نئی اصناف جیسے ناول، انشائیہ، مضمون نگاری وغیرہ کا دخل ہوا۔ انگریزی تعلیم نے لوگوں کی سوچ اور فکر کو تبدیل کیا،

سیاسی تبدیلیوں نے لوگوں میں نیا شعور اور بیداری پیدا کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب ادب بھی فرضی قصے کہانیوں سے نکل کے سچائی اور سادگی کی طرف مائل ہوا۔

اسی زمانے میں مرزا غالب کی نثر نگاری نے بھی اردو نثر کو ایک نیا راستہ دکھایا۔ انھوں نے اردو نثر میں تازگی، شگفتگی اور شوخی کو جگہ دی اور اپنی مکتوب نگاری کے ذریعہ وہ نثر تخلیق کی جو قدیم اور جدید رنگ کا دلکش نمونہ ہے۔

تاریخ کے اس دور میں جب سیاسی کش مکش، تہذیبی ٹکراؤ، طبقاتی رنجش اور نظریاتی اختلافات ترقی پر تھے اس وقت اردو نثر اور اس کی مختلف اصناف کا بھی ارتقا ہوا۔ 1857ء میں رہی سہی مغلیہ حکومت کے خاتمے انگریزی حکومت کے قیام اور نئے صنعتی نظام کی آمد نے لوگوں میں سوچ کی نئی قوت پیدا کردی اور بہت سے ہندوستانی اپنی تہذیب، اپنے تمدن، اپنے مذہب، اقدار، روایات اور ادبی سرمائے کی حفاظت کے لئے عمل کے میدان میں آئے مثلاً بھارتیندو ہریش چندر، سرسید، حالی، شبلی، آزاد، نذیر احمد، بنکم چٹرجی اور سرشار وغیرہ۔

سرسید نے تعلیمی سطح پر جو کچھ کیا اس کا اثر اردو نثر پر بہت خوشگوار پڑا۔ انھوں نے مدرسہ قائم کیا۔ سائنٹی فک سوسائٹی قائم کی، علی گڑھ گزٹ نکالا، رسالہ "تہذیب الاخلاق" جاری کیا تو ان کے ذریعے سادہ اور آسان نثر کی روایت آگے بڑھی۔ سرسید نے خود بھی مضمون لکھے اور اپنے ساتھیوں حالی، شبلی، آزاد وغیرہ سے بھی عمدہ مضامین لکھوائے۔ سرسید کے ساتھیوں میں نذیراحمد نے ناول کے فن کو اپنایا اور "مراۃ العروس" بناۃ النعش، فسانۂ مبتلا، ابن الوقت اور "ایامیٰ" جیسے اہم ناولوں سے اردو نثر کے سرمایے میں اضافہ کیا۔

ناول انگریزی زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی انوکھے اور عجیب یا نرالے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ انگریزی کے اثر سے ناول اردو میں آیا۔ لیکن اردو نثر کی تاریخ میں داستانوں کا دور ختم ہونے کے بعد بیسویں صدی تک کے زمانے میں، سورج پور کی کہانی،سیودھی کہودھی ، داستان جمیلہ خاتون اور خط تقدیر کے علاوہ کہانیوں کے ایک مجموعے مراۃ النساء کی موجودگی یہ ثابت کر دیتی ہے کہ ناول اردو ادب میں بہت پہلے سے موجود ہے۔ پھر ڈپٹی نذیراحمد کے ناول اردو ادب میں اپنی افادیت اور اہمیت رکھتے ہیں۔ نذیر احمد نے اپنے ناولوں کو سماج میں پھیلی برائیاں دور کرنے کا ذریعہ بنایا۔ ان کا مقصد قوم کی ذہنی اور معاشی پستی کو دور کرنا تھا۔ ان کا ناول فنی اعتبار سے قدرے کمزور سہی مگر یہ سچ ہے کہ انھوں نے اپنے ناولوں کے ذریعے اردو نثر کو نیا انداز بخشا ہے۔ دلی اور خاص طور سے عورتوں کی زبان پر انھیں قدرت حاصل تھی۔

اردو ناول نگاری میں ڈپٹی نذیر احمد کے بعد دوسرا اہم نام پنڈت رتن ناتھ سرشار کا ہے۔ یہ لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے بڑے عرصے تک "اودھ اخبار" کی ادارت کی اور 'فسانۂ آزاد، جام سرشار، سیر کہسار، کامنی بچھڑی دلہن، پی کہاں، کڑم دھم اور خدائی فوجدار جیسی مشہور کتابیں لکھیں۔ "فسانۂ آزاد"

تو سرشار کا شاہکار سمجھا جاتا ہے۔ اس میں لکھنوی تہذیب اور وہاں کی روز مرہ زندگی کی بڑی جاندار عکاسی کی گئی ہے۔ سرشار کا یہ طویل افسانہ صرف لکھنوی تہذیب کا نمائندہ نہیں بلکہ داستان اور ناول کے درمیان کی ایک اہم کڑی ہے۔

اسی زمانے کے دوسرے اہم ناول نگار عبدالحلیم شرر ہیں۔ شرر کا تعلق بھی لکھنؤ سے ہے۔ لیکن انھوں نے عمر کا ابتدائی زمانہ کلکتہ میں بسر کیا۔ بیس سال کی عمر میں لکھنؤ واپس آئے۔ شرر نے بے انتہا لکھا۔ ان کی کتابوں کی تعداد تقریباً 102 بتائی جاتی ہے اور اس میں زیادہ تر ناول ہیں۔ "فردوس بریں" "ایام عرب، حسن کا ڈاکو، منصور موہنا، فتح اندلس، ملک العزیز ورجنا اور مینا بازار وغیرہ مشہور ناول ہیں۔ "ملک العزیز ورجنا" ان کا پہلا ناول ہے جو 1888ء میں لکھا گیا۔ شرر کے ناولوں کے، موضوعات زیادہ تر تاریخی ہیں۔ انھوں نے بنکم چندر چٹرجی کے ناول " درگیش نندی " کا ترجمہ بھی اردو میں کیا۔

عبدالحلیم شرر کے بعد ناول نگاری کا جو دور شروع ہوا اس میں مرزا محمدہادی رسوا، محمد سعید اور منشی سجاد حسین وغیرہ اہم نام ہیں۔ مرزا ہادی رسوا کا "امراؤ جان ادا "1899ء میں لکھا گیا جو مرزا کا شاہکار ہے۔ مرزا رسوا نے اس ناول میں ناول کے فن کا پورا خیال رکھا ہے۔ لکھنؤ کے ایک خاص طبقے اور لکھنؤ کے تہذیبی زوال کی تصویرکشی رسوا نے بڑی فن کاری سے کی ہے۔ اس کے علاوہ بھی انھوں نے "ذات شریف" اختری بیگم، شریف زادہ اور " افشائے راز" جیسی کتابیں لکھیں لیکن وہ شہرت نہ ملی جو " امراؤ جان ادا " کے حصے میں آئی۔

منشی سجاد حسین کے ناول " طرح دار لونڈی "، " حاجی بغلول، احمق الذی " ریاض خیر آبادی کا " دل ناشاد" اور قاری سرفراز حسین کا " شاہد رعنا " بھی اس دور کے اہم ناول ہیں۔ جن میں زبان و بیان کے دلکش نمونے بھی ملتے ہیں اور ناول کی فنی خوبیاں بھی کم و بیش موجود ہیں۔ راشدالخیری نے بہت سے ناول لکھے جن کا موضوع گھریلو خواتین اوران کے مسائل ہیں۔ راشد الخیری بھی اچھی نثر لکھتے تھے لیکن ان کے یہاں دکھ اور غم کے سائے گہرے ہیں۔ ان کے ناولوں کے نام " صبح زندگی ، شام زندگی " وغیرہ بھی اسی تاثر کو پیش کرتے ہیں۔

انیسویں صدی میں اردو نثر کا افسانوی ادب ترقی کرچکا تھا۔ بدلتے ہوئے سیاسی حالات اور صنعتی ترقیوں نے اردو نثر کے میدان کو بھی بہت وسیع کیا۔ اور بیسویں صدی کے ابتدائی دور تک پہنچتے پہنچتے اردو نثر میں نہ صرف کہانی ، ناول اور افسانے نے ترقی کی بلکہ تحقیق ، تنقید اور طنزیہ و مزاحیہ ادب کا بھی اچھا ذخیرہ اکٹھا ہوگیا۔

ساری دنیا میں بیسویں صدی میں ہونے والی تبدیلیوں، سائنس اور مشینوں کی ترقیوں، قومی انقلابی اور ادبی تحریکوں کا اثر ہندوستانی عوام اور ان کے ادب پر بھی خاصا پڑا۔ پھر یہاں آزادی کی جدو جہد اور

آزادی ملنے کے بعد کی تباہی و خون ریزی، غربت، بے روزگاری، بیماری، تعلیمی پستی، تہذیب اور روایات سے دوری، نئے اور پرانے کی کش مکش، بے اعتباری، خود غرضی، سماجی بھید بھاؤ جیسے سینکڑوں مسائل اٹھ کھڑے ہوئے۔ اردو ناول، ڈرامے اور افسانے، نے ان مسائل کی صحیح اور سچی تصویریں پیش کیں۔ اس دور کے اردو ادیبوں نے ان مسائل سے متعلق بے شمار افسانے، ڈرامے اور ناول لکھے۔ اپنی تحریروں کے ذریعے قوم اور ملک کی بہتری اور ترقی اور انسان دوستی کے جذبات کو عام کیا۔ اس اعتبار سے ان ادیبوں اور مصنفوں میں پریم چند بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

پریم چند ترقی پسند بھی تھے گاندھی وادی بھی اور وطن دوست بھی۔ انھیں ملک، قوم اور اس کے تمام مسائل سے دلچسپی تھی۔ انھوں نے بہت سے ناول اور ڈھیروں افسانے لکھے جن میں زندگی کی گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش کی اور سچائی اور حقیقت کو آسان، سادہ اور پر اثر انداز میں پیش کیا۔ اسرار معابد، بیوہ کشنا، نرملا، روٹھی رانی، جلوۂ ایثار، بازار حسن، گوشۂ عافیت، میدان عمل اور گئو دان وغیرہ ان کے اہم ناول ہیں۔

سجاد ظہیر کا "لندن کی ایک رات" کرشن چندر کے "جب کھیت جاگے"، "شکست"، "ایک عورت ہزار دیوانے" عصمت چغتائی کے ناول 'ضدی، معصومہ، ٹیڑھی لکیر، سودائی، عزیز احمد کا ایسی بلندی ایسی پستی گریز، خدیجہ مستور کا آنگن، قرۃ العین حیدر کا " آگ کا دریا" میرے بھی صنم خانے، خاندانی بیگم، گردش رنگ چمن، احسن فاروقی کا شامِ اودھ اور فیاض علی کا " انور، شمیم وغیرہ ایسے ناول ہیں جنھوں نے اپنے زمانے کی بھرپور عکاسی کی ہے اور ناول کے فنی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے زبان اور بیان کے بھی اچھے تجربے کیے ہیں۔

موجودہ زمانے میں بھی جو اردو ناول نگار اپنے دور کے حالات اور واقعات کو بہتر ڈھنگ سے پیش کر رہے ہیں۔ ان میں انور عظیم، قرۃ العین حیدر، جیلانی بانو، آمنہ ابوالحسن، قاضی عبدالستار، جوگیندر پال وغیرہ خاص طور سے اہمیت رکھتے ہیں۔ ان لوگوں نے اردو ناول کا ایک معیار قائم کیا، اس کے فن کو سنوارا اور اردو نثر کے تخلیقی حسن کو نکھارا ہے۔

افسانہ اردو نثر کی اہم صنف ہے۔ ظاہر میں چھوٹی سی کہانی اپنے اندر بہت وسعت اور گہرائی رکھتی ہے۔ یہ غزل کی طرح کم الفاظ میں بڑی بات بیان کرتا ہے اور زندگی کے ہر پہلو کی نمائندگی اس کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ اردو نثر میں افسانے کی روایت تو پریم چند سے بہت پہلے شروع ہو چکی تھی۔ سجاد حیدر یلدرم، نیاز فتح پوری اور سلطان حیدر جوش نے بہت سے ترکی افسانوں کے ترجمے بھی کیے اور اردو میں افسانے لکھے بھی۔ ان کے افسانوں میں عام طور سے وہ دلکشی، رنگینی اور رومان پایا جاتا ہے جو اس دور کا تقاضا تھا۔

رفتہ رفتہ ملک اور سماج میں ہونے والی تبدیلیوں، مغربی اثرات اور ترقی پسند تحریک کے مقاصد

نے اردو افسانے کو نیا رنگ روپ بخشا۔ کہانی رومان بھری فضاؤں سے نکل کر حقیقت سے قریب ہوگئی۔ منشی پریم چند نے افسانے کو مختصر بھی کیا اور زندگی کا ترجمان بھی بنایا۔ انھوں نے زندگی کی بے شمار چھوٹی بڑی سچائیوں، خوشیوں اور غموں کو اپنی کہانیوں کے ذریعے بیان کیا۔ ہندوستان کے دیہاتوں کی خوبصورتی، وہاں کے عوام کی سادگی، خلوص، ان کی پریشان حالی، مفلسی اور بے بسی کی بڑی واضح تصویریں پریم چند کے افسانوں میں نظر آتی ہیں۔ انھوں نے ملک میں پھیلی خام خیالی، تنگ نظری، جہالت، بے جا رسم و رواج کی پابندی کے خلاف آواز اٹھائی۔ ان کے افسانے واقعات کی ترجمانی کرنے کے ساتھ ہی زبان کی سادگی، سلاست، صفائی اور جذباتی خلوص کا بھی اچھا نمونہ ہیں۔ ان کی کہانیوں کے مجموعے سوز وطن، پریم پچیسی، پریم بتیسی، واردات، خواب و خیال، خاک پروانہ، آخری تحفہ، دودھ کی قیمت اور دیہات کے افسانے کے نام سے شائع ہوئے۔

پریم چند نے اردو افسانے میں سادگی اور حقیقت نگاری کی جو روایت قائم کی اس کو آگے بڑھانے کی کوشش ان کے زمانے کے اور بھی بہت سے افسانہ نگاروں نے کی۔ علی عباس حسینی، اعظم کریوی، سدرشن بالی اور اوپندر ناتھ اشک تو اس سلسلے میں خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

اردو کے افسانوی ادب میں سجاد ظہیر، رشید جہاں، احمد علی اور محمود الظفر کے افسانوں کا مجموعہ "انگارے" جو 1933ء میں لکھنؤ سے شائع ہوا بہت اہم ہے۔ اس کی اشاعت نے اردو ادب میں تہلکہ مچا دیا۔ ان لوگوں نے پرانی روایات، سماجی بے اعتدالیوں اور فضول رسموں کے خلاف آواز اٹھا کر اردو افسانے کو بے خوف اور بے باک اسلوب بخشا۔

کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، ممتاز مفتی، حیات اللہ انصاری، اختر حسین رائے پوری، اختر اورینوی، خواجہ احمد عباس، غلام عباس، ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور، بلونت سنگھ، اشفاق احمد وغیرہ وہ افسانہ نگار ہیں جنھوں نے افسانے کے فن کو ترقی دی۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے افسانے بھی لکھے اور اچھے ڈرامے بھی۔ ان کی تحریروں میں سماجی شعور بھی ہے، انسانی جذبات کی گرمی بھی اور فن کی لطافتیں بھی۔

اردو افسانے کا سفر جاری ہے اور موجودہ دور کے ادبی، سماجی، سیاسی، تہذیبی غرض ہر طرح کے معاملات کو جو افسانہ نگار بہتر انداز میں پیش کر رہے ہیں۔ ان میں قرۃ العین حیدر، جیلانی بانو، قاضی عبدالستار، جوگندر پال اور اقبال متین، احمد ندیم قاسمی وغیرہ کے نام خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ان لوگوں نے افسانے کے فن کو جس انداز سے برتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اردو کے افسانوی ادب نے ترقی کی بہت سی منزلیں طے کر لی ہیں۔ موضوعات کی جدت، بیان کی شگفتگی، خیال کی ندرت اور فن کی جو لطافت اس دور کے افسانے میں پائی جاتی ہے وہ افسانے کے فن کی بقا اور اردو نثر کی ترقی کا پتا دیتی ہے۔

1.2 آپ نے کیا سیکھا

- 1731ء میں شمالی ہند میں فضل علی فضلی نے " روضۃ الشہدا " کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا اور اس کا نام "کربل کتھا" رکھا۔
- شمالی ہند میں فضلی کی اس کتاب سے باقاعدہ نثری کتابوں کا سلسلہ شروع ہوا۔
- 1800ء میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کے قیام سے اردو نثر کی ترقی پر خوش گوار اثر پڑا۔ ڈاکٹر جان گل کرائسٹ نے ہندوستان کے کونے کونے سے مشہور ادیبوں اور مصنفوں کو بلا کر بے شمار کتابیں تصنیف و ترجمہ کرائیں۔
- میرامن کی "باغ و بہار" فورٹ ولیم کالج سے یہ ترجمہ ہونے والی داستانوں میں سب سے زیادہ مشہور ہوئی۔
- فورٹ ولیم کالج میں اردو کی ترقی کے لئے کام نہیں ہو رہا تھا مگر پھر بھی وہاں لکھی جانے والی داستانوں کا اردو نثر کے ارتقاء میں بڑا حصہ ہے۔
- انیسویں صدی کا زمانہ دراصل اردو نثر کی ترقی اور عروج کا زمانہ ہے۔ یعنی 1822ء میں اردو کا پہلا اخبار "جام جہاں نما" جاری ہوا۔ 1824ء میں دلی کالج قائم ہوا۔ 1835ء میں اردو کو عدالتی زبان بنا دیا گیا۔
- انگریزی تعلیم نے لوگوں کی سوچ اور فکر کو تبدیل کیا۔ سیاسی تبدیلیوں نے نیا شعور اور بیداری پیدا کی اور اردو ادب فرضی قصے کہانیوں سے نکل کر سچائی اور سادگی کی طرف مائل ہوا۔
- مرزا غالب کی نثر نگاری نے بھی اردو نثر کو ایک نیا راستہ دکھایا اور اردو نثر میں تازگی، شگفتگی اور شوخی کو جگہ دی۔
- سرسید کی تعلیمی تحریک نے اردو نثر کی ترقی پر گہرا اثر ڈالا۔ انھوں نے خود بھی مضمون لکھے اور اپنے ساتھیوں سے بھی لکھوائے۔ رسالہ " تہذیب الاخلاق" کے ذریعے سادہ اور آسان نثر کی روایت آگے بڑھی۔
- ناول انگریزی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی انوکھے یا نرالے کے ہیں۔ انگریزی ادب کے زیر اثر ناول کی صنف اردو ادب میں آئی۔ ڈپٹی نذیر احمد پہلے ناول نگار ہیں۔ ان کے ناول اردو ادب میں بڑی اہمیت اور افادیت کے حامل ہیں۔
- ڈپٹی نذیر احمد کے ہم عصر ناول نگار عبدالحلیم شرر اور پنڈت رتن ناتھ سرشار ہیں۔ عبدالحلیم شرر کے ناولوں کے موضوعات زیادہ تر تاریخی ہیں۔

- انیسویں صدی میں اردو نثر کا افسانوی ادب کافی ترقی کر چکا تھا۔ بدلتے ہوئے سماجی حالات اور صنعتی ترقیوں نے اردو نثر کے میدان کو بہت وسیع کیا۔
- بیسویں صدی تک آتے آتے اردو نثر میں نہ صرف کہانی، ناول اور افسانے نے ترقی کی۔ بلکہ تحقیق، تنقید اور طنزیہ و مزاحیہ ادب کا بھی اچھا خاصہ ذخیرہ جمع ہو گیا۔
- ساری دنیا میں بیسویں صدی میں ہونے والی تبدیلیوں، صنعتی ترقی، انقلابی اور ادبی تحریکوں کا اثر اردو ادب اور ہندوستانی عوام پر بھی پڑا۔ آزادی کی جدوجہد، آزادی ملنے کے بعد کی تباہی، خون ریزی، غربت، بے روزگاری، ہماری تعلیمی پستی، خود غرضی اور سماجی بھید بھاؤ جیسے سیکڑوں مسائل اٹھ کھڑے ہوئے۔ اردو ناول، ڈرامے اور افسانے نے ان مسائل کی صحیح اور سچی تصویر پیش کیں۔
- اردو کے افسانوی ادب میں سجاد ظہیر، رشید جہاں، احمد علی اور محمود الظفر کے بعد کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، خواجہ احمد عباس، ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور وغیرہ وہ افسانہ نگار ہیں جنھوں نے افسانے کے فن کو بہت ترقی دی۔
- موجودہ دور کے سیاسی، سماجی، تہذیبی غرض ہر طرح کے مسائل اور معاملات کو جو افسانہ نگار بہترین انداز میں پیش کر رہے ہیں۔ ان میں قرۃ العین حیدر، جیلانی بانو، قاضی عبدالستار، جوگندر پال، اقبال متین اور احمد ندیم قاسمی وغیرہ کے نام خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

13 سوالات

1۔ اردو نثر کے ارتقا میں صوفیوں اور سنتوں کی خدمات کیا تھیں؟
2۔ فورٹ ولیم کالج میں اردو کی کون کون سی مشہور کتابیں تصنیف ہوئیں؟
3۔ اردو نثر کی ترقی اور عروج کا زمانہ انیسویں صدی کو کیوں کہا جاتا ہے؟
4۔ سرسید اور ان کے رفقاء نے نثر کو کس طرح آگے بڑھایا؟
5۔ داستان، ناول اور افسانے کے فرق کو واضح کیجیے؟
6۔ چند مشہور افسانہ نگاروں کے نام لکھ کر ان کے کارناموں کا مختصراً ذکر کیجیے؟